برصغیر معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لیے مجدد الف ثانیؒ کی خدمات اور اس کے معاشرے پر اثرات

(Role of Mujadid Alf Sani for edification of the people of sub-continent and its impact on society)

☆ڈاکٹر عدنان ملک
صدر شعبہ تاریخ اسلام، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، حیدرآباد
☆☆محمد رمضان ارائیں
ریسرچ اسکالر، شعبہ تاریخ اسلامی، جامعہ کراچی

Abstract:

Mujadid Alf Sani was one of the most prominent personalities of the Muslim era who devoted his life to the cause of nation building and edification of the people of the sub-continent. The time of Mujadid Alf Sani was a very troubled era for the muslims dewilling in the sub-continent. He left no stone unturned in his endeavor for the preservation and spread of Shariah. He made it the sole aim of his life and hence devoted it completely towards that end. For which he focused his attention particularly on three of the most influential classes of the society- the religious scholars, Sufis and Aristocrats. Addressing them in his exhortations, he struggled to make them true followers of Shariah so that they may affect their own sphere of influences and the true message should reach every nook and corner of the society. He knew it quite well that the causes of the social, ethical and religious ills found in the society were basically due to these a strayed religious scholars, Sufis and the aristocrats of that the times. Hence, it was from there that the struggle for the revival of Shariah was to be initiated. This article aims at discussing that struggle and particularly the steps taken by Mujadid Alf Sani in his struggle to cause of nation building and edification of the people of the sub continent.

Key Words: Mujadid Alf Sani, Nation building, Sub-continent, edification of people.

کلیدی الفاظ: مجدد الف ثانی، برصغیر معاشرہ، تعمیر و تشکیل

مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی (1634ء-1564ء) عہد اسلامی کے ہندوستان کی اہم شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اپنی تمام زندگی برصغیر معاشرے کے افراد کی تعمیر وتشکیل میں صرف کر دی۔ مجدد الف ثانیؒ کا زمانہ حیات (سولہویں اور سترہویں صدی) برصغیر کے افراد کے لیے کئی اعتبار سے ہیجان انگیز تھا، ابتداً بعض مطلق العنان بادشاہوں اور نام نہاد صوفیاء نے برصغیر کے افراد کے اعتقادات پر کاری ضرب لگائی بعد ازاں دیگر حکمرانوں اور ان کے رفقاء نے اپنی ضعیف الاعتقادی سے اس پراگندگی میں تشویشناک حد تک اضافہ کر دیا اور فی الواقع حقیقی اسلام، خرافات وروایات میں گم ہو کر رہ گیا۔ انحرافی عقائد کی یلغار، بدعات والحاد کا نفوذ، امراء کی عیش پسندی، علماء کی ظاہر داری و دیگر عناصر نے برصغیر معاشرے کی اجتماعیت کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ مزید براں مذہبی انتشار، دینی گمراہیاں، رسومِ بدعات کی فراوانی، "دینِ اکبری کا شیوع"، عقائد واحکام کو رسم ورواج سے خلط ملط کرنے کا سلسلہ، علمائے سوء کی جاہ پسندی اور دنیا طلبی نے اسلام اور اسلامی تصورات وروایات کو سنگین خطرات لاحق کر دیئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بڑی غائر نظر سے حالات کے گرد وپیش کا جائزہ لیا اور معاشرے کے افراد کی تشکیل وتعمیر کے لیے ملک کی بدلتی مذہبی اور معاشرتی حالات کو شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوشاں ہوئے۔ زیرِ نظر مقالہ میں برصغیر معاشرے کے افراد کی تعمیر وتشکیل میں مجدد الف ثانیؒ کی خدمات اور معاشرے پر ان کے اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعارف

مجدد الف ثانیؒ کا پورا نام شیخ احمد سرہندی الفاروقی تھا۔ آپ نے سولہویں صدی عیسوی میں برصغیر معاشرے کے افراد کی تعمیر وتشکیل کردار کے لیے اپنی ساری زندگی کو وقف کر دیا۔ آپ کی پیدائش 14 شوال المکرم 971ھ بمطابق 5 جون 1564ء کو جمعہ کی شب میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کا لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔[2] آپ کے والد شیخ عبدالواحد ایک مشہور عالم فاضل تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے سفر کا آغاز حفظ قرآن کریم سے کیا اور جلد ہی قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔[3] ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور دیگر علوم اسلامیہ کو اس وقت کے علماء کبار سے حاصل کیا۔ اس زمانے میں رائج علوم مثلاً منطق وفلسفہ، علم الکلام اور اصول فقہ اس وقت کے بہترین عالم حضرت مولانا کمال شاہ کیتھلی[4] سے حاصل کیے۔ حدیث کی بعض کتب شیخ شہاب الدین احمد بن حجر کے شاگرد یعقوب کشمیری[5] سے پڑھیں۔ آپ نے 17 برس کی عمر میں اپنی تعلیم مکمل کی اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے، جہاں بے حساب طلباء علوم نبوت نے آپ سے استفادہ کیا۔[6] آپ نے کم عمری میں ہی اپنے علم میں اتنا رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ

آپ نے اہم درسی کتب پر حاشیے بھی لکھے۔[7] آپ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصوف کے مراحل بھی تیزی سے طے کیے۔ اپنے والد سے ہی چشتیہ اور قادریہ دونوں نسبتیں حاصل کیں اور پھر خواجہ باقی باللہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور سولہویں صدی عیسوی کا برصغیر معاشرہ

برصغیر جس میں دین فطرت کے شجرہ طیبہ کے نصب اور بارآور کرنے کے لیے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں اور ذہنی صلاحتیں اور اہل قلوب اور اصحاب صفہ کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں لیکن سولہویں صدی عیسوی میں برصغیر معاشرہ ایک ہمہ جہتی، دینی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ رہا تھا، جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت اور فوجی طاقت تھی، جس کو اپنے وقت کے متعدد ذہین و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک بھی حاصل تھی۔ اس وقت اگر حالات کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا ہوا۔[8] سید سلیمان ندوی اس وقت کے برصغیر معاشرے کی عکاسی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گذر گئے اور مسافر کے آغاز سفر پر ہزارواں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی۔ اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعے نبی امی ﷺ کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کیے اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس بے میل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر دیکھنا ہے تو "دبستان مذاہب" کا مطالعہ کرے، کتنے زناداروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زنار نظر آئیں گے، بادشاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سر سجدے میں پڑے اور شہنشاہ میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے اور مسجدوں کے منبروں سے یہ صدا سنائی دے گی۔ اللہ تعالیٰ شانہ، یہ ہی ہو رہا ہے تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی۔ راستہ صاف کرو کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے۔ ایک فاروقی مجدد، فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ شیخ احمد سرہندی تھے۔" (مقدمہ سیرت احمد شہید، ص 30،31)

برصغیر معاشرے میں دینی اور تہذیبی ارتداد

- اسراء و معراج واستہزاء

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمان پر چلا جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ طرح طرح کی نوے ہزار باتیں کرتا ہے۔ لیکن اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔ پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کرکے سوال کرتا ہے۔

ممکن نیست کہ تاپائے دیگر بر جاماند

استادہ توانیم ایں چہ حکایت است[9]

- ارکان اسلام کی توہین واستہزاء

ملامبارک کے ایک بیٹے نے جو ابوالفضل کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور تمسخر کے پیرائے میں چند رسالے تصنیف کیے۔(شاہی جناب) میں اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ یہی رسالے بن گئے۔[10]

- قانون نکاح

چچازاد، ماموں زاد و دیگر قریبی رشتہ داروں کی لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی کیونکہ ان لڑکیوں کی طرف مردوں کا میلان کم رہتا ہے۔ مرد کے نکاح کے لیے سولہ سال اور عورت کے لیے چودہ سال عمر ہونا ضروری قرار دیا گیا اور اس کی وجہ یہ تراشی گئی کہ چھوٹی عمر کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے۔ ایک قانون یہ بھی رائج کیا گیا کہ ایک سے زائد نکاح نہ کیا جائے۔ نکاح کی جگہ متعہ کو فروغ دیا گیا اور اس سلسلے میں شیطان پورہ نامی ایک شہر بسایا گیا جہاں سارے ملک سے فاحشہ عورتوں کو لا کر بسایا گیا۔[11]

- پردے کی ممانعت

اکبر نے حکم شاہی جاری کیا کہ ہر جوان عورت جو کوچہ و بازار میں گھومتی پھر رہی ہو وہ اس حالت میں یا تو پردہ نہ کرے یا چہرہ کھلا رکھے۔[12] عزت و ناموس کی بربادی کے لیے نوروزی کی دکانوں کو کبھی کبھی مردوں سے خالی کرا دیا جاتا اور بیگمات اہل حرم اور خاص

وعام پردہ نشیں عورتوں کو سیر و تفریح کے لیے بلایا جاتا۔ بادشاہ نے نکاح کی قید کو بھی ختم کرانے کی کوشش کی مگر کچھ ہندوؤں کی ناراضگی کے سبب نہ کر سکا۔[13]

- شراب کی حلت

"ایک حکم یہ دیا گیا کہ اگر جسمانی صحت اور بدن کی اصلاح کے لیے طبی طور پر شراب پی لی جائے اور اس کے پینے سے فتنہ وفساد پیدا نہ ہو تو وہ جائز ہوگی، اگر اتنی پی لی جائے جس سے حد سے زیادہ نشہ ہو جائے اور لوگ جمع ہو کر شور و غوغا مچائیں تو یہ منع ہوگی، حسب الحکم دربار کے دروازے پر شراب فروشی کی ایک دکان بھی قائم کی گئی تھی جس کی منتظم دربان کی عورت مقرر کی گئی جو کسی شراب فروش کی بیٹی تھی اور بادشاہ نے خود شراب کے نرخ مقرر کیے۔"[14]

- جشن نوروز کی محفلیں

"جشن نوروز کی مجلسوں میں اکثر علماء وصلحاء بلکہ قاضی اور مفتی تک شراب نوشی کی وادی میں اتارے جاتے تھے۔ نئے دین کے مجتہد، خاص طور پر ملک الشعراء فیضی تو یہ کہہ کر پیتے تھے کہ ہم یہ پیالہ فقیہوں اور عالموں کی اندھی تقلید کے نام پر پیتے ہیں۔"[15]

- داڑھی کی درگت

"شراب کی حلت کے بعد "دین الٰہی" میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا جاتا تھا وہ ریش تراشی کا مسئلہ تھا، "داڑھی کے بال کی سیرابی چونکہ خصیتین سے ہوتی ہے، چنانچہ کسی خواجہ سرا کے داڑھی نہیں ہوتی، اس کے رکھنے میں کیا ثواب ہو سکتا ہے" دربار اکبری کے بڑے بڑے فضلاء اپنی داڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے"۔[16]

- خنزیر اور کتوں کا احترام

"اسلام کے برخلاف "سور اور کتے" کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا تھا اور شاہی محل کے اندر اور باہر یہ دونوں ناپاک جانور رکھے جاتے تھے، صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔"[17]

- اکبری الحاد کا استیصال

اکبری دور کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"مسلمان اذیت میں مبتلا تھے۔ہندو علی الایمان مسلمانوں اور اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ ہر کوچہ وبازار میں ہندوؤں کی رسمیں منائی جاتیں۔اگر کوئی مسلمان گائے ذبح کر دیتا اس کے بدلے میں اس کی جان لے لی جاتی۔ان حالات میں جونپور کے ایک قاضی ملا محمد یزدانی نے فتوی دے دیا کہ بادشاہ مذہب سے پھر گیا ہے،اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے۔اس کے علاوہ دربار میں کچھ لوگوں نے بڑی جرات کا مظاہرہ کیا اور بادشاہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن حکومت کے نشے نے اسے اتنا بد مست کیا ہوا تھا کہ وہ اور زیادہ بگڑ گیا اور بعض علماء کو شہید کروا دیا۔"[18]

اکبر نے سیاست کو مذہب پر ترجیح دی۔اہل سنت کے علاوہ ہر مذہب اور ہر فرقے کی دلجوئی کی۔اس کی پالیسی یہی تھی کہ اپنے دربار میں ہر مذہب کے علماء کا اجتماع کرواتا۔مباحثے سننا اس کی سیاست میں داخل تھا۔مشہور مؤرخ عبد القادر بدایوانی لکھتے ہیں:

"بادشاہ اپنی رعایا کو خوش کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اسلام سے رخ پھیرنا شروع کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر گیا اور علی الاعلان اسلام کی مخالفت شروع کر دی۔چنانچہ علماء اپنی تصنیفات اس کی تعریف کی نذر کر دیتے اور خطبے میں صرف توحید کے بیان پر اکتفا کرتے۔کتابوں کے مقدموں میں بادشاہ کے القابات اور خطابات بار بار استعمال کیے جاتے۔کسی کی مجال نہ تھی کہ جناب رسول ﷺ کا نام خطبے میں لے۔بادشاہ قرآن کا منکر تھا۔اس کے ساتھ حیات بعد الممات کا بھی منکر تھا اور عام حکم دے رکھا تھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بجائے لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کہا جائے۔"[19]

محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

"مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گزر گئے اور اس نے الف ثانی (ہزار دوم) میں قدم رکھا اس وقت خاص کر ہندوستان میں عرب کے اس مسافر پر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی۔ایک طرف سلطنت کا الحاد اور اس کی ہندو نوازی بلکہ ہندو پرستی اس کو پامال کر رہی تھی،دوسری طرف علماء سوء کی دسیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں اور تیسری طرف "متصوفانہ

باطنیہ" کی ہوئی پرستیاں اس کی روح کو مسخ کر رہی تھیں اور لاوارث اسلام اس طرح اس "تثلیث" سے مغلوب کیا جا رہا تھا۔ اس کا ضعف و اضمحلال اس کی غربت و کسمپرسی انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔"[20]

مذہبی اعتبار سے دین الٰہی نے اسلام اور کفر کے امتیاز کو مٹا دیا تھا اور ایسی رسوم و رواج راہ پا گئی تھیں جن سے اسلام کی انفرادیت مجروح ہوتی تھی۔ بادشاہ کو سجدہ، بادشاہ کے نام کا کلمہ، گاؤکشی کی ممانعت، جزیہ کی منسوخی اور دیگر ہندوانہ رسوم کی شاہی سرپرستی نے شعائر اسلام کی عزت و حرمت کو دلوں سے نکال دیا۔ علمائے سوء کا ایک گروہ میسر آگیا تھا جو ان انحرافی روشوں کے لیے وجہ جواز مہیا کرتا تھا۔ ابو الکلام آزاد رقم طراز ہیں۔

"بدخشی نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ جائز ہے۔ علماء نے کان کھڑے کیے، غل مچایا، گفتگو کے سلسلے پھیل کر الجھے، معترض ملانوں کے جوش نہ دم لیتے تھے، نہ لینے دیتے تھے۔ جواز کے طرف دار بڑی ملائمت سے انہیں روکتے تھے اور اپنی بنیاد جمائے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ عہدِ سلف پر نظر رکھو، امت ہائے قدیم کو دیکھو، وہ عموماً اپنے بزرگوں کے سامنے تحفہ عجز و نیاز سمجھ کر ادب سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے، مثلاً ملائک کا سجدہ حضرت آدم کو کیا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ تعظیمی۔ باپ اور بھائیوں نے سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں کیا تھا؟ جاب تحفہِ ادب پیش کیا تھا نہ کہ پرستش بندگی۔ بس وہی سجدہ ہے، پھر انکار کیوں اور تکرار کیسی؟"[21]

شیخ اکرام لکھتے ہیں:

"داڑھیاں منڈوانے کے متعلق شیخ امان پانی پتی کے ایک بھتیجے ملا ابو سعید نے فتویٰ دیا۔ وہ اپنے عم بزرگوار کے کتب خانے میں سے ایک کرم خوردہ کتاب لے کر تشریف لائے اور اس میں سے حدیث دکھائی کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی آئے، بیٹا ساتھ تھا، اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ اہل بہشت کی صورت ایسی ہی ہوگی۔"[22]

برصغیر معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں مجدد الف ثانیؒ کی خدمات اور اس کے ثمرات

مجدد الف ثانی اسلامی تعلیمات کے فروغ اور فکری یلغار کے خلاف جن چیلنجز کا سامنا تھا ان کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے لیے مقاصد اعلیٰ کا تعین کیا پھر ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک جامع حکمت عملی مرتب کی جو اس وقت کے اعتبار سے انتہائی اثر انگیز دوررس اور منفرد ثابت ہوئی۔ آپ کی پوری کوشش تھی کہ باطل کی فکری یلغار اور معاشرے میں بڑھتے ہوئے بے راہ روی کے

اثرات کا بطلان کر کے عوام الناس کو عقائد اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقائد پر جمع کیا جاسکے اور "دین الہی" کا خاتمہ کر کے برصغیر معاشرے کو اسلام کی اصل روح پر استوار کیا جائے۔ نیز بدعات کا خاتمہ کر کے احیاء سنت کی ترویج کرنا بھی آپ کے اولین مقاصد میں شامل تھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا اور اس سلسلے میں حکمران طبقہ سے لے کر عوام الناس تک براہ راست تبلیغ کی اور اسلامی تعلیمات کو مدلل انداز میں بیان کر کے لوگوں کو قائل کیا اور دینی و معاشرتی حالات کی اصلاح اور تغیر کے لیے مکتوبات کا ذریعہ اختیار کیا جن میں معاشرے کے ہر طبقہ کو فکری انحراف اور بے دینی کی طرف توجہ دلائی۔ آپؒ نے اراکین سلطنت سے براہ راست تصادم سے نہ صرف گریز کیا بلکہ ان کی براہ راست یا بالواسطہ اصلاح کی کوشش کی جس کے حیرت انگیز نتائج حاصل ہوئے، ساتھ ساتھ علماء وصوفیاء کو ان کے حقیقی منصب سے آگاہ کیا اور ان کو اس عظیم الشان اصلاحی مشن میں اپنے ساتھ کام کے لیے تیار کیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان علماء سوء سے علمی مناظرے کیے اور ان کے عقائد باطلہ کے رد میں "رسالہ اثبات النبوۃ" اور "رسالہ تہلیلیہ" تحریر کیا اور ان رسالوں کے ذریعے عقائد اسلام کا دفاع کیا۔ مزید براں مجدد الف ثانیؒ نے معاشرے میں بڑھتے ہوے خرافات اور ضعیف الاعتقادی کے سدباب کے لئے اپنے مکتوبات میں عقائد اسلام اور اجتہاد و تقلید وغیرہ مسائل کلامیہ کے متعلق تحریر کیا۔ چنانچہ مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں جو حکیم عبد الوہاب کے نام ہے، تحریر کرتے ہیں:

"اے سعادت مند! جو کچھ ہم اور آپ پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ اول اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق اس طرح درست کریں کہ جس طرح علمائے حق نے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے، ان عقائد کو کتاب وسنت سے سمجھا اور وہاں سے اخذ کیا ہے، کیونکہ ہمارا اور آپ کا سمجھنا اگر ان بزرگواروں کی فہم ورائے کے موافق نہیں ہے تو وہ حدود واعتبار سے ساقط ہے، کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت سے ہی سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے حق کے متعلق کسی چیز کا فائدہ نہیں ہوتا۔"[23]

مجدد الف ثانیؒ علماء سوء کے فتنہ کو اپنے ایک مکتوب میں جو صدر جہاں کے نام ہے تحریر کرتے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علمائے سوء کی ہی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا، اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مد نظر رکھ کر علمائے دیندار کا انتخاب کر کے پیش دستی کریں گے۔ علمائے بد، دین کے چور ہیں ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ اور بزرگی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے۔"[24]

مجدد الف ثانیؒ ارکان سلطنت میں تنفیذ شریعت اور ان کو راسخ العقیدہ بنانے کے لئے مکتوبات کا سلسلہ شروع کیا۔ شہنشاہ جہانگیر کے دربار کے جتنے ممتاز رکن سنی المذہب تھے آپ نے سب کو حلقہ بگوش کر رکھا تھا جن اہم اراکین سلطنت کو دین اسلام کا سچا خادم بنایا ان میں خان اعظم (مرزا کوکہ)، عبد الرحیم خان خاناں (خلف الرشید بیرم خان خانخاناں)، خان جہاں، خواجہ جہاں، میر زادارب اور قلیج خان وغیرہ شامل تھے۔[25] یہ تمام لوگ بادشاہ جہانگیر کے خاص عمائدین میں سے تھے، بالخصوص عبد الرحیم خان خاناں عہد اکبری سے اتنے ترقی یافتہ تھے کہ گویا آدھی سلطنت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد الف ثانیؒ کی محبت وعظمت کچھ ایسے قلوب میں ڈال دی تھی کہ جن کے ہاتھوں میں حکومت کی چابی تھی اور جن کو دربار سلطنت میں کافی اثر ورسوخ حاصل تھا، مجدد الف ثانیؒ نے ایک طرف تو خود ان کی اصلاح کی اور ان کو راسخ العقیدہ بنانے کے لئے اسلامی زندگی کا اصلی نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعے حکومت کی مشینری کے رخ کو صحیح کیا، یہ ارکان سلطنت ودیگر امراء جن کے ذریعے مجدد الف ثانیؒ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے ان میں سے بعض دارالسلطنت آگرہ ہی میں تھے اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں، حضرت مجددؒ ہر ایک کو برابر ہدایت دیتے رہتے تھے[26] شیخ احمد سرہندیؒ لالہ بیگ[27] کو اپنے ایک مکتوب میں اہل حکومت میں پھیلی ہوئی بد اعتقادی اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے بعد خدمت دین اور اعلائے حق کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں صرف کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور اسلام اور اہل اسلام کا نشان نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلام کو ظاہر کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گائے کا ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا سب سے بڑا شعائر ہے، کفار جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں مگر گائے ذبح کرنے پر ہر گز راضی نہ ہوں گے۔ اسلام کے ابتداء ہی میں اگر اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ورنہ نعوذ باللہ اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر یہ کام بہت مشکل

ہو جائے گا۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث ثم الغیاث دیکھئے کون صاحب دولت اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون بہادر اس دولت کو آگے بڑھ کرلیتا ہے۔ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔"[28]

مجددالف ثانیؒ کے تحریری ودعوتی خطوط کی ایک بڑی تعداد نواب سید فرید بخاریؒ کے نام ہے جو ارکان سلطنت اور صوبیداران مملکت میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔اکبر کے عہد سلطنت کے مقرب ومعتمد علیہ تھے، حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے عقیدت وتعلق رکھتے تھے، ان کی سیادت اور دینی حمیت سے حضرت مجددؒ نے فائدہ اٹھا کر ان کو اپنا فرضِ دینی وخاندانی ادا کرنے پر آمادہ کیا اور وہ یہ کہ بادشاہ جہانگیر کو نیک مشورہ دے کر ارباب اقتدار میں احیاء دین اور شعائر اسلام کے فروغ کے لئے اپنی کاوشوں کو تیز کر دے۔

مکتوب گرامی مجدد صاحبؒ بنام نواب سید فرید بخاریؒ

"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے، خاص کر ایسے زمانے میں جب کہ اسلام کے شعائر (نشانات) بالکل مٹ گئے ہوں کروڑ ہا روپیہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے ایک مسئلے کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے، کیونکہ اس فعل میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء ہے جو کہ بزرگ ترین مخلوقات ہیں اور اس فعل میں ان بزرگوں کے ساتھ شریک ہونا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں ان ہی حضرات کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑ روپیہ خرچ کرنا ان بزرگوں کے سوا اور کو بھی میسر ہے اور نیز شریعت کے بجالانے میں نفس کی کامل مخالفت ہے کیونکہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور احوال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس ہی موافقت کرلیتا ہے ہاں ان احوال کے خرچ کرنے میں جو شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہوں بہت بلند درجہ ہے اور اس کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے کئی لاکھ خرچ کرنے کے برابر ہے۔"[29]

مجددالف ثانیؒ کی کاوشوں اور صحبت بابرکت سے بادشاہ جہانگیر صحیح معنوں میں خادم اسلام بنا تو اس نے شیخ فرید بخاری جو مجددالف ثانیؒ کے مرید خاص تھے، ان کو حکم صادر کیا کہ دربار کے چار دیندار عالم مہیا کیے جائیں جو مسائل شرعیہ بتایا کریں تاکہ کوئی کام خلاف شرع نہ ہو سکے۔[30]

مجددالف ثانیؒ کی خدماتِ دین کے معاشرے پر اثرات

بہر حال مجدد الف ثانیؒ نے ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ شاہجہاں اور عالمگیر اپنی کامل دینداری کے ساتھ ایک صدی تک حکومت کرتے رہے اور یہ ہی فضا باقی رہتی اگر عالمگیر کے جانشین فکر و ہمت سے محروم نہ ہوتے۔ مجدد الف ثانیؒ نے ریاستی نظم کی تبدیلی کے لیے سیاسی، انقلابی یا فوجی تبدیلی کے بجائے دعوتی، روحانی اور فکری انقلاب کا جو طریق کار اختیار کیا۔ اس وجہ سے کہ کوئی بھی مجدد معاشرے میں جو تبدیلی لاتا ہے وہ جہاں فکری، شعوری اور نظریاتی ہوتی ہے، وہاں اس سے بھی زیادہ اس تبدیلی کا ہدف وجدان اور نفس کی اندرونی دنیا ہوتی ہے۔ جب شعور کے ساتھ اندر کی دنیا بدل جاتی ہے اور اپنے نفسی اغراض و مقاصد فنا ہو جاتے ہیں اور اللہ کی رضا مقصود ہو جاتی ہے تو پھر معاشرے اور ریاست کی زیریں سطح اور بالائی گہری سطح پر اس طرح کی تبدیلی آنے لگتی ہے کہ بظاہر عام افراد کے لیے اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ مجدد الف ثانیؒ نے دراصل اپنی غیر معمولی یقین کی قوت کی بدولت دلوں میں یقین کی شمع جلائی، اپنی غیر معمولی روحانی قوت سے کام لے کر معاشرے کے مؤثر افراد کے قلوب وانفاس کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا اور بندوں کا اللہ سے اخلاص اور نسبت مع اللہ کا ایسا تعلق پیدا کیا کہ اللہ کی رضامندی اور اس کے احکام و قوانین کے اجراء و نفاذ کے لیے سعی کرنا نیکی کا عظیم ترین کام تصور کیا گیا۔

برصغیر میں مجدد الف ثانیؒ کی آغاز کردہ تحریک کے اثرات صرف سرکاری سطح پر ہی ظاہر نہ ہوئے بلکہ علمی و سماجی سطح پر بھی یہ تحریک بآور ثابت ہوئی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شیخ مجددؒ کی خدمات کے اثرات کا اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر عدنان ملک نے اپنے مقالہ میں شیخ مجددؒ کی خدمات کے اثرات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "اگر ان (حضرت مجددؒ کے معاصرین) اکابر علمائے وصلحائے عظام نے ایسے نازک اور کٹھن وقت میں تصانیف و وعظ و نصائح وغیرہ سے دین کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے بھی لوگ مستفید و مستفیض ہوتے رہے لیکن ایسا شخص جو حکومت کی کایا پلٹ دے اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے حکومت کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور تقوی و ورع و مقاومت بالصبر کے خاموش اسلحہ سے حکومت وقت کو شریعت اسلامیہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہ کی ذات گرامی تھی۔"[31]

مجدد الف ثانیؒ کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے کہ حضرت نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعے مغلیہ سلطنت کے بادشاہ جہانگیر کی اصلاح کی اور اس کو دین اسلام کی طرف راغب کیا۔ بادشاہ جہانگیر کی اصلاح کے بعد برصغیر میں علمی طور پر دین اسلام کو نافذ کرایا۔ چنانچہ جہانگیر اور اکبر نے جن مساجد کو مسمار کرایا تھا ان تمام مساجد کی تعمیر کروائی اور شعائر اسلام کے وہ آثار جو انھوں نے مٹائے تھے از سر نو جاری کروائے۔ گائے کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا۔ بادشاہ کے محل کے پاس مسجد تعمیر کروائی۔ اسی مسجد میں بادشاہ نے امراء سمیت آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ سجدہ تعظیمی ختم کر دیا گیا، گائے کا گوشت آزادی کے ساتھ ہندوستان کے تمام علاقوں میں فروخت کیا جانے لگا۔ شہر بہ شہر محتسب اور شرعی مفتی اور قاضی مقرر ہوئے، کفار پر جزیہ مقرر ہوا، بدرکاری کے اڈے ختم کرائے گئے۔ سور اور کتے کو غلیظ اور ناپاک قرار دیا گیا۔ شراب پر پابندی لگادی گئی۔ تمام خلاف شرع قوانین کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بادشاہ آپ کا دست مبارک پر تائب ہوا۔ جہانگیر اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ کہتا تھا کہ:

"میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کردوں گا وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائے گے۔"[32]

شہنشاہ جہانگیر کے حلقہ بگوش ہونے اور اسلام کی طرف راغب ہونے کا اتنا اثر ہوا کہ جہانگیر کی اولاد اور دیگر امراء بھی مجدد صاحب کے معتقد ہو گئے اور ان کے دربار عالیہ سے منسلک ہو گئے۔ شہنشاہ جہانگیر کی اولاد میں اسلام کا جو رنگ چڑھا وہ مجدد الف ثانیؒ کی کاوشوں کا ہی نتیجہ تھا۔ کم و بیش تین لاکھ مسجدیں اور ایک لاکھ مدرسہ تعمیر کرائے۔ علماء و فقراء کے وظائف مقرر کیے اور دین اسلام کی ترویج میں بہت کوشش کی۔ اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۲۷ تا ۱۱۱۸ھ) مجدد الف ثانیؒ کے فرزند خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (۱۰۰۷ھ تا ۱۰۷۹ھ) خواجہ سیف الدینؒ (۱۰۴۹ھ تا ۱۰۹۶ھ) سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور نگزیب عالمگیرؒ حافظ قرآن اور عالم باعمل بنا۔ یہ مجدد الف ثانیؒ کا ہی فیض تھا کہ اورنگزیب عالمگیر نے فقہ حنفی کی عظیم کتاب "فتاوی عالمگیر" لکھوائی۔ دینی مدارس

قائم کیے، سلاطین مغلیہ میں شاہ جہاں اور اورنگزیب عالمگیرؒ نے شعائر اسلام کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے ہی سے مجدد الف ثانیؒ کے معنوی و صلیبی اولاد نے اپنے والد محترم اور استاد گرامی کے بابرکت سلسلے کے فیض کو جاری رکھا۔ ان میں اولین نام خواجہ محمد معصوم کا ہے۔ [33]

شاہ ولی اللہؒ کی خدمات دراصل مجدد الف ثانی کے مقاصد کی تکمیل کا ہی تسلسل تھی۔ لہٰذا دارالعلوم دیوبند کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ہی تحریک کا تسلسل اور مجسم ترجمان کہنا زیادہ بامعنی معلوم ہوتا ہے۔ اس مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے محرک وہ ہی حالات تھے جن حالات میں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے برصغیر معاشرے میں لوگوں کی اصلاح ظاہر و باطن کی اور معاشرے میں راسخ الاعتقادی کو فروغ دیا۔ مولانا محمد طیب تحریر کرتے ہیں:

> "تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی۔ ہندوستان میں سلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے۔ دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو رہی تھیں۔ دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کے بجائے جاہلانہ رسوم ورواج، شرک وبدعت اور ہواپرستی وغیرہ زور پکڑتے جا رہے تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، جس سے دہریت و الحاد، فطرت پرستی اور بے قیدی نفس آزادی فکر اور بے باکی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ جس سے نگاہیں خیرہ ہو چکی تھیں اور اسلام کی جیتی جاگتی تصویر دھندلی نظر آنے لگی تھی کہ چند نفوس قدسیہ نے باالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی۔ یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ، دین کو بچانے اور اس کے راستہ سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔" [34]

یہ دارالعلوم دیوبند وقت و حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے مسلم معاشرے سے بدعات و منکرات کا خاتمہ کرنے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کو فروغ اس کے اہم مقاصد میں شامل تھا۔ دارالعلوم کی تاسیس کے بعد ان گنت مدارس العربیہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم ہوئے۔ ان میں اکثر مدارس ایسے تھے جن کے تمام معاملات کی نگرانی بھی دارالعلوم دیوبند کے ہی ذمہ تھی۔ ان مدارس کے فضلاء نے مسلمانوں کے قومی تشخص اور علوم

اسلامیہ کے تحفظ و اشاعت کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔[35] قیام پاکستان کے بعد دیوبند علماء کا علمی و رحانی مرکز اگرچہ ہندوستان میں رہ گیا لیکن اس دارالعلوم دیوبند سے قلبی و روحانی وابستگی کی وجہ سے پاکستان کے مختلف مقامات پر علمی مراکز قائم کیے گئے جیسے کراچی میں جامعہ دارالعلوم کراچی، جامعہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، مدرسہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدینہ لاہور، مدرسہ عربی خیر المدس ملتان، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور وغیرہ دارالعلوم دیوبند کی علمی سرگرمیوں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔[36]

حاصل کلام و تجاویز

اسلامی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کے لیے اگر ہمیں کامل راہنمائی مل سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ اور اسوۂ رسول ﷺ سے ممکن ہے۔ اسی سے لوگوں کے افکار و نظریات کو تبدیل کرنا، اپنے مقصد کا تعین کرنا، اس کی حقیقی روح اور پیغام کو معاشرے میں عام کرنا ممکن ہے۔

آج معاشرہ بہت تیزی سے فکری انتشار کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ ایک طرف مغرب کی جدیدیت کے رجحانات نے ہمارے معاشرے کی مسلمہ فکری اور علمی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے تو دوسری طرف اسلام کی نئی نئی توجیہات اور تشریحات نے حقیقی مقاصد اور اہدافِ اسلام کا رخ تبدیل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ مزید براں معاشرے کو مادیت کی رعنائی و خوبصورتی سے بچانے، ایمان و یقین کی راہ پر استقامت سے گامزن کرنے، اسلامی شریعت کی ترویج کے لیے عزیمت کی راہ اختیار کرنے، معاشرے میں پھیلتی ہوئی بے یقینی کو یقین قلبی دلانے کے سلسلے میں جو علمی و عملی رہنمائی کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اس کی طرف توجہ نہیں ہے۔ بد قسمتی سے دینی و مذہبی طبقات فکر و عمل کے اعتبار سے عجیب تذبذب کا شکار ہیں۔ ایمانی دولت، یقین کی کیفیت، اخلاص نیت اور محبت و معرفت کا بحران تو موجود ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ آنے والے دور کے قیامت خیز چیلنجز کے فہم اور ان کے سدباب کے لیے اختیار کیے جانے والے اسباب کا بھی غیر معمولی فقدان پایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں مذہبی طبقات میں چھوٹے چھوٹے مسائل ہی اہمیت اختیار کر چکے ہیں اور امت کی تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے۔ اس صورت حال سے نکلنے کے لیے ہمیں صرف اور صرف قرآن وسنت سے راہنمائی مل سکتی ہے، یہی تعلیمات ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے ملتی ہیں، یہی مقصد مجدّدین امت, مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کا تھا، اور اسی کا درس مصلحین اُمت دیتے رہے۔

(۱) مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے یہ اصول ملتا ہے کہ جب ریاست کی تمام قوتیں دین کی بیخ کنی میں مصروف ہوں تو ایسے وقت میں احیائے دین کی ترویج سب سے بڑی نیکی قرار پاتی ہے۔ خاص طور پر فتنہ کے دور میں جدید تعلیم یافتہ افراد پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ دینی علوم سیکھیں اور فتنہ پرور گروہ کا مقابلہ کریں۔ آج امت انتشار کا شکار ہے گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہے اور یہ تفریق روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ آج اگر ان درپیش مسائل سے ہمیں کوئی چیز نکال سکتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے، اس لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع وقت کی ضرورت ہے۔

(۲) تعلیمی نظام کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں سے نکلنے والی نسل ہی مستقبل میں ملک وقوم کی باگ دوڑ سنبھالتی ہے۔ اگر ہم پاکستان کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیں تو ہمیں اس وقت پاکستان میں دو نظام تعلیم متوازی نظر آتے ہیں ۔ایک صدیوں پرانا مدارس کا نظام ہے، جس میں بڑی تعداد میں علماء تیار ہوتے ہیں۔ ضرورت اس امر ہے کہ اس کو دورِ جدید سے ہم آہنگ کیا جائے اور ایسے مضامین شامل کیے جائیں جو عصرِ حاضر کی ضروریات کو پورا کرسکیں تاکہ ان مدارس سے فارغ التحصیل علماء ملکی ترقی میں بھرپور کردار ادا کرسکیں۔ دوسری طرف جدید طرز پر جو اسکول قائم کیے گئے ہیں ان میں دینی تعلیم کو مذاق بنادیا گیا ہے ۔ سارا وقت ایسے مضامین پڑھانے میں گزرتا ہے جن میں مادہ پرستانہ نظام زندگی، خالق کائنات کی بجائے کائنات، روح کی بجائے جسم، اُخروی زندگی کی بجائے دنیوی زندگی، مسبب الاسباب کی بجائے صرف اسباب پر زور دیا جاتا ہے۔ امتحانوں سے چند دن پہلے اسلامیات کا مضمون جو برائے نام شامل ہے، سرسری پڑھوا کر خانہ پوری کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے اس مضمون کو ایسے اساتذہ پڑھاتے ہیں جن کا مشاہرہ سب سے کم ہوتا ہے، بعض اوقات غیر مسلم سے پڑھا کر کام چلا لیا جاتا ہے۔ اس طرح ان اداروں سے جو نسل پڑھ کر نکلتی ہے، ان میں اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہوتا ہے، وہ مغرب زدہ اور دین سے بیزار ہوتی ہے۔ ہمیں سنجیدگی سے غور کرکے تمام سلیبس کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا اور اس کو قرآن وسنت سے قریب تر کرنا ہوگا، ورنہ ہمیں تباہی سے کوئی نہیں بچاسکتا۔

(۳) دورِ جدید میں میڈیا کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی صورت میڈیا سے منسلک ہے۔ اس وقت میڈیا ایسے لوگوں کی گرفت میں ہے جو اسے اپنی طاقت سمجھتے ہوئے خاص مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آج میڈیا مخصوص ایجنڈے کے تحت فحاشی اور بے حیائی کو معاشرے میں عام کرنے میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ میڈیا کے لیے ضابطہ اخلاق طے کیا جائے تاکہ ہر شخص چادر اور چار دیواری میں محفوظ رہے۔ اس کا استعمال مثبت اور بامقصد کیا جائے اور معاشرے میں اخلاقیات بگاڑنے کی

بجائے سنوارنے کے لیے استعمال کیا جائے، اگر دعوت دین کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لیے میڈیا کا استعمال کیا جائے تو یہ بہت بڑی نعمت بن سکتا ہے۔

(۴) فی الوقت امت مسلمہ کی حالت یہ ہے کہ ان کا دین بھی بگڑ (مسخ ہو) گیا ہے اور دنیا بھی۔ ہمارے ہاں خیانت، بدعہدی اور مکر و فریب جیسی برائیاں عروج پر نظر آتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں نے قوم کی اصلاح کی بجائے گروہی مفادات کو تحفظ دینا اپنا مشن بنا رکھا ہے، جبکہ علماء میں سے ایک بڑی تعداد نے امت کو دین کا پیغام پیش کرنے کی بجائے فرقہ وارانہ اور مسلکی مسائل کو اپنی دنیا بنانے کا نسخہ کیمیا بنالیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس امت کا مقصد بعثت دعوت دین اور اقامتِ دین قرار دیا ہے، بدقسمتی سے اُمّت کی اکثریت اپنے مقصدِ زندگی کو فراموش کر چکی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اُمّت کے ذہین ترین طبقات میں سے گروہ اٹھیں اور ایک اجتماعیت میں اکٹھے ہو جائیں، چونکہ یہ کام انفرادی طور پر نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے ایک منظم جماعت ضروری ہے جو کہ سمع و طاعت کی خوگر ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فکر کی روشنی میں سیاسی جدوجہد یا اقتدار کی تبدیلی جیسی کاوشوں سے اسلام کی سربلندی کی امید رکھنا صحیح نہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ایسے مخلص داعیانِ دین اور تربیت یافتہ رضاکاروں پر مشتمل جماعتیں تیار ہوں جو دورِ جدید کے حالات و مسائل سے آگاہ، عصرِ حاضر کے چیلنج کو یقین کی قوت سے بدلنے، اخلاص کی دولت سے مالامال اور نسبت مع اللہ کے گوہر سے آراستہ ہوں۔ اس طرح کے افراد کی جدوجہد اوران کی فکری و عملی ہم آہنگی، ایوان اقتدار، فوجی صفوں اور انتظامیہ کے شعبوں میں اس طرح محسوس کی جائے کہ موثر افراد از خود تبدیلی کے لیے فضا ہموار کرنا شروع کر دیں اور سیاسی جدوجہد میں کلی توانائیاں صرف کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ تعلیم و تربیت کے اسلامی اداروں کے ذریعے، سیاست، فوج اور انتظامیہ میں شامل دردمند افراد یہ کام احسن طریقے سے انجام دے سکتے ہیں۔ بہر حال وسائل، طاقت اور عوام کی حمایت سے محروم دینی جماعتوں کے لیے بہتر لائحہ عمل یہی ہے کہ وہ معاشرے میں بنیادی تبدیلی کے لیے اپنی جملہ توانائیاں مخلص داعیانِ دین اور تربیت یافتہ افراد پر مشتمل جماعتیں تیار کرنے میں صرف کر دیں کیونکہ تاریخ میں کامیابی اسی حکمت عملی سے ملی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(1) ندوی، ابوالحسن علی، سید۔ (1384ھ)۔ "تاریخ دعوت و عزیمت"۔ کراچی۔ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد۔ نمبر 1۔ جلد چہارم۔ ص 13 .

(2) مکتوبات امام ربانی۔ جلد اول۔ مکتوب نمبر 2۔

(3) ندوی، ابوالحسن علی، سید۔(1384ھ)۔"تاریخ دعوت وعزیمت"۔ کراچی۔ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد۔ نمبر 1۔ جلد چہارم۔ ص 138۔

(4) مولانا کمال الدین بن موسیٰ کشمیر سے 971ھ میں ہجرت کر کے سیالکوٹ تشریف لائے تقریباً پچاس سال تدریس میں مشغول رہے اور 1071ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔ وہیں آپ کا مدفن ہے۔ (بحوالہ نزہۃ الخواطر، جلد 5، ص 316)۔

(5) مولانا یعقوب کشمیری 908ھ میں پیدا ہوئے۔ ساری زندگی تعلیم میں گزار دی۔ 21 ذی الحجہ 1002ھ میں وفات پائی۔ (بحوالہ نزہۃ الخواطر۔ جلد 5۔ ص 430)۔

(6) مکتوبات امام ربانی۔ جلد اول۔ مکتوب ثانی۔

(7) شاہ، زوار حسین، سید۔(2012ء)۔"حضرت مجدد الف ثانیؒ"۔ کراچی۔ زوار اکیڈمی۔ ص 153۔

(8) محمد فاروق، مفتی۔(2011ء)۔"تذکرہ مجدد الف ثانیؒ"۔ کراچی۔ دارالاشاعت۔ ص 54۔

(9) بدایوانی، عبدالقادر۔(س ن)"منتخب التواریخ"۔(مترجم محمود احمد فاروقی)۔ شیخ غلام علی سنز۔ ص 317۔

(10) بدایوانی، عبدالقادر۔ ایضاً، ص 351۔

(11) بدایوانی، عبدالقادر۔ ایضاً، ص 497۔

(12) ایضاً، ص 291۔

(13) شاہ، زوار حسین، سید۔(2012ء)۔"حضرت مجدد الف ثانیؒ"۔ کراچی۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ ص 342۔

(14) سید زوار حسین شاہؒ:"حضرت مجدد الف ثانیؒ"۔ کراچی۔ زوار اکیڈمی۔ ص 338۔

(15) ایضاً، ص 345۔

(16) محمد فاروق، مفتی۔(2011ء)۔"تذکرہ مجدد الف ثانی"۔ کراچی۔ دارالاشاعت۔ ص 45۔

(17) محمد فاروق، مفتی۔ ایضاً، ص 48۔

(18) Ahmed, Burhan, Mujaddid's Concept of Tawhid,1940,Lahore.

(19) عبدالقادر بدایوانی۔(س ن)"منتخب التواریخ"۔(مترجم محمود احمد فاروقی)۔ شیخ غلام علی سنز۔ ص 273۔

(20) مکتوب امام ربانی، مکتوب 2، مکتوب 29۔

(21) محمد اکرام، شیخ۔(1996ء)۔"رود کوثر"۔ لاہور۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ص 64۔

(22) محمد اکرام، شیخ۔ ایضاً، ص 65۔

(23) مجدد الف ثانی۔(س ن)۔"مکتوبات امام ربانی"۔(مترجم: مولوی عالم الدین)۔ لاہور۔ تعلیمی پرنٹنگ پریس۔ جلد اول۔ مکتوب نمبر 157۔

(24) مجدد الف ثانی۔(س ن)۔"مکتوبات امام ربانی"۔(مترجم: مولوی عالم الدین)۔ لاہور۔ تعلیمی پرنٹنگ پریس۔ جلد اول۔ مکتوب نمبر 194۔

(25) احمد، محمد وکیل۔(1997ء)، مجدد اسلام، کراچی: محل پرنٹنگ پریس، ناظم آباد۔

(26) شاہ، زوار حسین، سید۔(1202ء)، حضرت مجدد الف ثانیؒ، کراچی: زوار اکیڈمی۔ ص242۔

(27) لالہ بیگ، جہانگیر بادشاہ کے متعمد تھے۔ بادشاہ نے صوبہ بہار کا نظم ونسق ان ہی کے سپرد کر دیا تھا گویا یہ بہار کے گورنر تھے۔(تزک جہانگیری)۔

(28) مجدد الف ثانی۔(س ن)۔"مکتوبات امام ربانی"۔(مترجم: مولوی عالم الدین)۔لاہور۔ تعلیمی پرنٹنگ پریس۔ جلد اول۔ مکتوب نمبر 81۔

(29) مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر 48۔

(30) محمد فاروق، مفتی۔(2011ء)، تذکرہ مجدد الف ثانی، کراچی: دارلاشاعت، ص 75۔

(31) ملک، عدنان۔(2017)، راسخ الاعتقادی کے فروغ کے لے مجدد الف ثانی کی خدمات اور ان کے اثرات،(سولیویں صدی)، کراچی یونیورسٹی۔

(32) جہانگیر، نورالدین۔(۲۰۰۴ء)، تزک جہانگیری،(مترجم مولوی احمد علی صاحب رامپوری)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔

(33) وکیل، احمد۔(۱۹۹۷ء)، مجدد اسلام، المصطفیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹی، قاسم آباد: کراچی پرنٹنگ پریس۔

(34) محمد طیب, قاری۔(۱۹۷۲ء) تاریخ داالعلوم دیوبند، کراچی: دارالاشاعت۔ ص ۱۱۔ ۱۲۔

(35) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۹، ص ۹۰۵ ۔

(36) منشی، عبدالرحمن۔(۱۹۹۲ء)، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ص ۳۷۔

<u>REFERENCES IN ENGLISH</u>